قومی ذرائع ابلاغ میں رپورٹنگ کا معیار
ڈاکٹر شکیل اوج کے واقعہ قتل کی روشنی میں

نوید اقبال انصاری*

ABSTRACT:

News is basically to deliver actual facts. Besides this role national interest must be kept in view. This question is oftenly raised about our media that does it deliver news timely and in national interest or not?. Specially TV Channels don't present true facts. I have written this article to analyses the news authenticity of Pro. Dr. Shakeel Auj, Dean of Islamic Studies, University of Karachi. After observing/analyzing news of his murder. It is disclosed that many contradictions and flaws are found in the news.

خبر نگاری میں مصدقہ اطلاعات کی ترسیل کو ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔ درست اطلاعات کی ترسیل کے ساتھ ساتھ قومی مفادات کو مدنظر رکھنا بھی رپورٹر اور اخبار کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ پاکستانی ذرائع ابلاغ کے حوالے سے اکثر یہ سوال زیر بحث رہتا ہے کہ آیا یہ لوگوں تک بروقت درست اطلاعات پہنچانے اور قومی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے فریضہ انجام دیتے ہیں یا کہ خبروں کی فوری اور تیزی سے ترسیل کی اندھا دھند دوڑ میں یہ سچائی اور قومی مفادات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس ضمن میں خود عامل صحافیوں کا ایک موثر طبقہ بھی ذرائع ابلاغ کی جانب سے خبروں کے انداز پیشکش اور طریقہ کار سے مطمئن نظر نہیں آتا۔ چنانچہ معروف صحافی محمود شام کا کہنا ہے کہ ''اخبارات نے کئی عشروں سے اپنے پہلے اور آخری صفحے پر زیادہ سے زیادہ سرخیاں شامل کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا اور سرخیوں میں بھی زیادہ تر ایسی خبریں شامل کی گئیں جو قاری کو چونکائیں۔ گہرائی میں جانے، سوچنے کا رجحان ختم ہو گیا، ان سنی سنائی، ادھوری اطلاعات پر سیاسی جماعتیں بھی آپس میں لڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ صحافیوں کے بعض گروپ جو انٹرنیٹ پر ای میلز کو لے اڑتے ہیں۔ نادان اس پر بحث کی عمارت کی منزلوں پر منزلیں بڑھائے جاتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ بنیاد مضبوط بھی رکھی گئی ہے یا نہیں۔ اسی رویے سے عام سامعین، ناظرین و قارئین کے بھی ذہن اس طرح غلط اطلاعات پر بنتے رہتے ہیں، وہاں بھی یہ رجحان ہے کہ کسی خبر کی تصدیق کے

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہء ابلاغِ عامہ، جامعہ کراچی برقی پتا: apro_ku@yahoo.com
تاریخِ موصولہ: ....

بغیر اسے اخبارات میں شائع یا چینل سے نشر کر دیا جاتا ہے۔"(۱)

ممتاز کالم نگار ضیاء الاسلام زبیری کے مطابق ایک آزاد میڈیا جو بے خوف ہو اور بلا کسی مفاد پرستی کے کھل کر ہر ظلم کی نشاندہی کرے اور ظالم چہرے سے بلا امتیاز سیاسی گروہی یا خفیہ اداروں کی ترجیحات کی پروا کئے بغیر نقاب اٹھائے اس ملک میں ناپید ہے۔(۲)

یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ پاکستانی ذرائع ابلاغ کے بارے میں یہ تاثر دن بہ دن گہرا ہوتا جا رہا ہے کہ یہ واقعات کی خبر نگاری میں غیر ذمے داری اور معروضیت وسچائی کو مجروح کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے لیے خبر نگاری ایک اہم ذمے داری کا کام ہے جس کے لیے ماہرین ابلاغ نے اصول وضوابط بھی طے کر دیے ہیں کہ جن پر عمل کر کے خبر نگاری میں معروضیت اور اس کے معیار کو برقرار رکھا جا سکتا ہے اور غلطیوں سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے جب ہم ذرائع ابلاغ سے متعلق مختلف ماہرین ابلاغ کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں تو بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔ مثلاً بشیر احمد طاہر لکھتے ہیں کہ اگر خبر نگاری کے اصولوں کو مدنظر نہ رکھا جائے تو یقیناً حقائق لوگوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ ایک رپورٹر کا فرض صرف یہ نہیں ہوتا ہے کہ کسی حادثے کی رپورٹ قلمبند کر دے یا حقائق کی تصدیق جائے وقوعہ پر جا کر کرے اور تفصیلات ادارتی عملے کے سپرد کر دے بلکہ خبروں کے سرچشمے اور ماخذ سے آگاہی، خبروں کی تلاش اور تفصیلی معلومات کے حصول کی صلاحیت بھی رپورٹر میں ہونی چاہیے۔(۳)

خبر نگاری کے اصولوں کے حوالے سے Geoffrey Harris اور David Spark لکھتے ہیں کہ ایک اچھا رپورٹر اس بات کا پورا یقین کر لیتا ہے کہ اس کی تیار کردہ خبر قطعی درست ہے۔ خبر نگاری میں وہ کسی دوسرے رپورٹر سے حاصل کردہ معلومات کی بھی پوری طرح تصدیق کرتا ہے اور کبھی بھی اپنی خبر میں باہر کے کسی قسم کے اثرات یا مفادات کو شامل نہیں ہونے دیتا ہے۔(۴)

اسی طرح Susan Pape اور Sue Feather stone کے مطابق یہ بہت اہم بات ہے کہ نیوز اسٹوری کی تمام تفصیل کی درستگی جانچ لی جائے بشمول نام، ٹائٹل اور مقام وغیرہ، یہ بھی تصدیق کر لیں کہ کسی پر غلط الزام تو عائد نہیں ہو رہا ہے، یا کوئی غلط بیانی تو نہیں ہو رہی ہے۔ اپنے آپ سے کچھ تصور کر لینا درست نہیں۔ یہ بھی دیکھا جائے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی ایک فریق کا نقطہ نظر شامل ہو اور دوسرے کا نقطہ نظر چھوڑ دیا گیا ہو۔(۵)

خبر کی فوری ترسیل کے لیے تیزی سے تیار کرنے میں بھی غلطیوں کا اندیشہ ہوتا ہے اس سلسلے میں Melvin Mencher کا کہنا ہے کہ ہتک عزت کے مقدمات کی ایک بڑی وجہ رپورٹر کا عجلت میں خبر دیتے وقت غلطیاں کرنا ہوتا ہے۔ ایک اچھا رپورٹر جلدی میں بھی خود سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرتا۔ کھلے ذہن اور رویے کے ساتھ واقعات کو دیکھنے سے خبر متوازن اور غیر جانبدار رہتی ہے۔(۶)

Tony Harcup کے مطابق خبر نگاری میں کسی واقعہ کے مختلف پہلوؤں سے نشاندہی، توازن کے ساتھ، حقیقت اور قطعی درستگی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ حقائق اور رائے کو الگ الگ رکھا جاتا ہے۔ رپورٹر کے ذاتی خیالات، تاثرات و احساسات اور کسی بھی قسم کی دخل اندازی کو ایک طرف رکھا جاتا ہے۔ ایک خبر غیر جانبداری اور معروضیت پر مبنی ہوتی ہے جس میں جذباتیت نہیں ہوتی، خیالات اور حقائق کو علیحدہ علیحدہ پیش کیا جاتا ہے۔(۷)

اسی طرح سے Karen Sanders لکھتا ہے کہ ایک رپورٹر کو حقائق سمجھنے کے لیے واقعہ سے متعلق سوالات بلا جھجک کرنے چاہئیں۔ یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لے، ساز باز کرے یا بددیانتی سے کام لے۔(۸)

جرائم کی خبر نگاری کے متعلق احمد نسیم سندیلوی لکھتے ہیں کہ ''جرائم کی خبر نگاری میں شرط اولین یہ ہے کہ جو کچھ بھی شائع کیا جائے اس کی ایک سے زیادہ ذرائع سے تصدیق کر لی جائے اور جو کچھ لکھا جائے وہ وہی کچھ لکھا جائے جو 'سچ' اور 'حقیقت' ہے۔ خبر نگاری میں یوں بھی وہی کچھ لکھنا چاہیے جو 'سچ' اور 'حقیقت' ہو لیکن جرائم کی خبروں میں اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہیے۔(۹)

حسن عابدی لکھتے ہیں کہ 'مثالی بات تو یہ ہوگی کہ تمام خبریں، رونما ہونے والے واقعات کو بلا تعصب اور متوازن طور پر ایسے دلنشین انداز میں پیش کریں کہ نہ تو ان میں رائے زنی شامل ہو اور نہ عبارت طول کلام سے بوجھل ہو۔(۱۰)

'کسی مسئلہ کے بارے میں اس کے ہر پہلو سے متعلق اطلاعات فراہم کرنا تاکہ توازن برقرار رہے نہایت ضروری ہے۔ ایک دیانتدار رپورٹر ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ کسی مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر ڈالے اور جو بھی مواد اس بارے میں فراہم ہو، اسے اپنی خبر میں جگہ دے۔(۱۱)

جب کسی ذریعے سے خبر حاصل کریں تو اسی پر تمام انحصار نہ کریں بلکہ اس کی تصدیق دو قابل اعتبار افراد سے ضرور ہونی چاہیے یہ وہ مسلمہ طریقہ ہے جو تمام بڑے اخبارات کے پختہ کار رپورٹر اختیار کرتے ہیں۔(۱۲)

خبر نگاری کا یہ انداز درست نہیں ہے کہ حقائق کو کسی ایک طبقہ کی دلچسپی کے لیے پیش کیا جائے۔(۱۳)

درج بالا تشریحات کو سامنے رکھا جائے تو خبر نگاری کے مندرجہ ذیل اصول سامنے آتے ہیں۔

۱) خبر میں پیش کردہ تمام معلومات کی درستگی جانچنا، پرکھنا مثلاً نام، مقام وغیرہ
۲) کسی دوسرے رپورٹر سے حاصل کردہ معلومات کی بھی تصدیق کر لینا۔
۳) حقائق جاننے کے لیے ایک سے زائد ذرائع سے تصدیق کر لینا۔
۴) رپورٹر کا اپنے طور پر کوئی نتیجہ یا بات اخذ کر لینے سے پرہیز کرنا۔
۵) حقائق اور رائے کو الگ الگ رکھنا۔
۶) کسی ایک فریق کا نقطہ نظر لینے اور دوسرے کا چھوڑ دینے سے پرہیز کرنا۔

۷) خبر میں اپنے جذبات شامل نہ کرنا۔

۸) اپنی نیت پر نظر رکھنا کہ خبر بناتے ہوئے اس میں جانبداری، تعصب یا اپنی مخصوص رائے کی آمیزش تو نہیں ہوگئی ہے؟

۹) خبر کو رائے زنی سے محفوظ رکھنا۔

۱۰) پسندیدہ یا ناپسندیدہ کسی بھی حقیقت کو نہ چھپانا۔

۱۱) حقائق کو کسی ایک طبقہ کی دلچسپی کے لیے پیش نہ کرنا۔

۱۲) یہ اہتمام کرنا خبر صرف غیر جانبدار ہی نہ ہو بلکہ غیر جانبدار محسوس بھی ہو۔

۱۳) بلاکم وکاست یہ یقین کرلینا کہ خبر قطعی درست ہے۔

خبر نگاری کے مندرجہ بالا اصولوں کو سامنے رکھ کر پاکستانی ذرائع ابلاغ کی خبر نگاری کے معیار کو پرکھنے کے لیے اس مقالے میں ممتاز مذہبی اسکالر اور جامعہ کراچی کے رئیس کلیہ معارف اسلامیہ ڈاکٹر شکیل اوج کے قتل کو کیس اسٹڈی بنایا گیا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ ملک کے مطبوعہ اور برقیاتی ذرائع ابلاغ میں ڈاکٹر شکیل اوج کے قتل کے واقعے کی رپورٹنگ میں معروضیت، غیر جانبداری، سچائی، صحت واقعہ اور واقعے کی صداقت کی تصدیق کا کس قدر اہتمام کیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر ڈاکٹر شکیل اوج قتل کیس ایک آئینہ ہے جس میں قومی ذرائع ابلاغ کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

چونکہ مقالہ نگار خود اس قافلے میں موجود تھا جو ڈاکٹر شکیل اوج کے ساتھ خانہ فرہنگ ایران میں منعقدہ تقریب میں شرکت کے لیے جارہا تھا اور مقالہ نگار کے استاد صدر شعبہ ابلاغ عامہ جامعہ کراچی پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود خود مقتول ڈاکٹر شکیل اوج کے ساتھ اس کار میں سفر کررہے تھے اور مقتول کی برابر والی نشت پر بیٹھے تھے، جس کار پر فائرنگ کی گئی تھی۔لہٰذا ذرائع ابلاغ کی جانب سے اس واقعہ کی رپورٹنگ کو جانچنا مقالہ نگار کے لیے آسان ہوگیا ہے کہ وہ کس قدر حقیقت سے قریب یا حقائق کے برعکس تھی۔ یہاں پہلے ڈاکٹر شکیل کے قتل کے اصل واقعہ کو بیان کیا جارہا ہے تاکہ مختلف ذرائع ابلاغ میں اس واقعہ کی خبر نگاری کے معیار کا اندازہ کیا جاسکے۔

واقعہ کے مطابق رئیس کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج ۱۸ر ستمبر بروز جمعرات ۲۰۱۴ء کو صبح دس بجے دفتر کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی سے خانہ فرہنگ ایران جانے کے لیے روانہ ہوئے، جہاں ان کے اعزاز میں، (انھیں ڈی لیٹ کی ڈگری اور تمغۂ امتیاز ملنے پر) ایک تقریب کا اہتمام تھا۔ڈاکٹر شکیل اپنے ایک دوست کی گاڑی میں سوار ہوئے، ان کے برابر میں ایک جانب صدر شعبہ ابلاغ عامہ جامعہ کراچی، پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود، دوسری جانب ڈاکٹر شکیل کی چھوٹی بھتیجی اور ایک پی ایچ ڈی مکمل کرنے والی طالبہ ڈاکٹر آمنہ بیٹھی تھیں۔ڈاکٹر شکیل کی گاڑی جب جامعہ کراچی کے کیمپس سے نکل کر نیپا چورنگی سے چند قدم آگے وفاقی اردو یونیورسٹی کے ساتھ واقع پل کے نشیب سے اتر رہی تھی کہ ان پر دو فائر ہوئے۔ڈاکٹر طاہر مسعود کے بقول (جو ڈاکٹر شکیل اوج کے برابر والی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے)، انھوں نے

رکشے کے ٹائر پھٹنے جیسی آوازسنی اور جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو گاڑی کی پچھلی نشست کی اسکرین پر گولیوں کے دو نشان تھے چنانچہ وہ مزید فائرنگ سے بچنے کے لیے اضطراری طور پر ڈرائیور کی نشست کے عقب میں جھک گئے اور ڈرائیور کو گاڑی تیز بھگانے کا کہا۔کچھ ہی دیر بعد انھیں ڈاکٹر شکیل اوج کی بھتیجی کے رونے اور چلّانے کی آوازیں سنائی دیں ان کے بیان کے مطابق انہوں نے جب گردن موڑ کر دیکھا تو ڈاکٹر شکیل اوج بائیں جانب نشست پر گرے ہوئے تھے،ان کے بے حس و حرکت وجود سے یقین سا آ گیا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں،اسپتال پہنچ کر ہنگامی طبی امداد دینے والے ڈاکٹر نے طاہر مسعود کو بتایا کہ ڈاکٹر شکیل کے سر کے پیچھے سے لگنے والی گولی بائیں آنکھ کے حصے سے پار ہوگئی ہے جس سے ان کی موت واقع ہوگئی ہے جب کہ دوسری گولی ڈاکٹر آمنہ کے بازو کو زخمی کرتے ہوئے نکل گئی ہے۔

اس واقعے کی اطلاع تھوڑی ہی دیر میں تقریباً تمام چینلوں سے ٹیلی کاسٹ ہوگئی،اور اگلی صبح انگریزی اور اردو کے تمام اخبارات نے نمایاں طریقے سے شائع کی۔مطبوعہ اور برقیاتی ذرائع ابلاغ سے حادثے کی اطلاع جن حقائق و تفصیلات کے ساتھ پیش کی گئیں' ان کا بہ نظر غائر مطالعہ و جائزہ بتاتا ہے کہ ذرائع ابلاغ نے نہ صرف اس واقعہ کو اصل واقعہ اور حقائق کے ساتھ پیش نہیں کیا بلکہ اس خبر کے ساتھ پس منظر ظاہر کرنے کے لیے جو تفصیلات پیش کی گئیں وہ بھی قطعی غلط اور بے بنیاد تھیں،مثلاً:

۱) یہ بتایا گیا کہ ڈاکٹر شکیل اوج نے امریکہ میں ایک متنازعہ تقریر کی تھی،جب کہ ڈاکٹر شکیل اوج کبھی امریکہ گئے ہی نہیں تھے۔

۲) یہ بتایا گیا کہ ڈاکٹر شکیل اوج نے ایرانی قونصلیٹ میں متنازعہ تقریر کی تھی،حالانکہ وہ وہاں گئے ہی نہیں تھے۔

۳) یہ کہا گیا کہ وہ توہین رسالت کے مرتکب ہوئے تھے،حالانکہ وہ کبھی توہین رسالت کے اعلانیہ مرتکب نہیں ہوئے تھے۔

۴) یہ کہا گیا کہ ان کے خلاف توہین رسالت پر قتل کا فتویٰ جاری ہوا تھا،حالانکہ جاری ہونے والا فتویٰ جعلی تھا جس کی متعلقہ مدرسے کی جانب سے ماضی میں ہی تردید کر دی گئی تھی۔

مندرجہ بالا حقائق کے خلاف معلومات لوگوں تک پہنچا کر ذرائع ابلاغ نے خبر نگاری کے اصولوں کو روندڈالا۔

چنانچہ مختلف اخبارات میں 19 ستمبر 2014 کو شائع ہونے والی خبروں کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ

انگریزی روزنامہ ڈان کراچی نے،ڈاکٹر شکیل اوج کی وجہ قتل ان کے مذہبی خیالات اور بحیثیت رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی میں جعلی ڈگریوں سے متعلق انکشاف کو قرار دیا۔(۱۴)

جبکہ انگریزی کے ایک دوسرے اخبار دی نیوز نے اپنی خبر کی تفصیل میں ایک پولیس افسر کے بیان کے حوالے سے قتل کا سبب ان کے خلاف توہین کا فتویٰ اور ان کے چند برسوں قبل کی گئی متنازعہ تقاریر کو قرار دیا۔(۱۵)

روزنامہ 'دی نیشن' نے اپنے خبر کی سرخی میں ڈاکٹر شکیل کے قتل کو ایک لبرل پروفیسر کا قتل قرار دیا اور تفصیلات میں بھی ایک پولیس افسر کے بیان کے حوالے سے ایسا ہی تاثر دیا کہ جیسے ان کے قتل کا ایک اہم سبب بھی یہی ہے،(۱۶)

انگریزی روزنامہ ایکسپریس ٹریبیون نے بھی اپنی خبر میں پولیس افسر کے بیان کے تناظر میں قتل کے محرکات توہین رسالت اور فرقہ واریت کا ذکر کیا ہے۔(۱۷)

درج بالا انگریزی اخبارات کی رپورٹنگ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تمام اخبارات کے رپورٹروں نے قتل کے محرکات کے حوالے سے محض ایک پولیس افسر کے بیان پر اعتماد کیا اور بغیر واقعاتی شہادت کے خود سے یہ طے کرلیا کہ قتل کی بڑی وجہ ڈاکٹر شکیل اوج کے مذہبی افکار و نظریات ہی تھے۔

اردو اخبارات میں روزنامہ دنیا نے اپنے تین کالمی سرخی میں لکھا کہ امریکہ میں ایک متنازعہ تقریر کے بعد انھیں دھمکی آمیز ایس ایم ایس موصول ہوئے تھے۔(۱۸)

روزنامہ جنگ نے بھی یہی بات رپورٹ کی۔(۱۹)

اسی طرح روزنامہ جرائت نے بھی یہی کچھ لکھا۔(۲۰)

جب کہ ڈاکٹر شکیل اوج کبھی امریکہ گئے ہی نہیں تھے۔ چنانچہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان اخبارات کے رپورٹروں کی جانب سے موصولہ اطلاعات کی تصدیق اگر ڈاکٹر شکیل کے اہل خانہ جن میں ان کی بیوہ، اور تین صاحبزادے یا جامعہ کراچی میں ان کے قریبی دوست احباب سے بات کرلی جاتی تو یہ غلط اطلات خبر میں شامل نہ ہوتیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کسی رپورٹر نے دفتر سے نکل کر حقائق جاننے اور سنی سنائی باتوں اور بیانات کی اصل حقیقت تک پہنچنے کی سرے سے کوئی کوشش ہی نہیں کی۔ چنانچہ ان خبروں میں ڈاکٹر شکیل اوج کے خاندان، جامعہ کراچی کے ذمہ دار اصحاب اور مرحوم کے احباب میں سے کسی کا بھی انٹرویو یا ان کی آراء اور تبصروں کا سراغ نہیں ملتا۔ پولیس افسر کے بیان کو بھی سننے اور سمجھنے میں بھی رپورٹروں سے غلطی ہوئی جیسا کہ روزنامہ ایکسپریس کی خبر میں امریکہ کے بجائے ایرانی سفارتخانے میں کی گئی ڈاکٹر شکیل کی مختلف تقاریر کو ایسا جرم قرار دیا گیا جس کے بعد انھیں موبائل فون پر ایس ایم ایس اور قتل کی دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑا۔(۲۱)

روزنامہ امت نے اپنی خبر میں ذرائع کی نشاندہی کیے بغیر دو سال قبل خانہ فرہنگ ایران میں کی گئی تقریر اور توہین رسالت کے الزام کا ذکر کیا۔(۲۲)

سندھی اخبارات میں روزنامہ ایکسپریس، حیدرآباد (۲۳)، اور عوامی آواز (۲۴)، نے قتل کے محرکات میں توہین رسالت کا ذکر کیا جبکہ سندھی اخبار کاوش نے ڈاکٹر شکیل کی جانب سے کلیہ معارف اسلامیہ میں عہدہ سنبھالنے کے بعد جعلی ڈگریوں کی نشاندہی کا ذکر بھی کیا۔(۲۵)

یوں صحافتی اصولوں کے تناظر میں دیکھا جائے تو انگریزی، سندھی اور اردو کے مذکورہ بالا تمام اخبارات کے رپورٹروں نے محض ایک پولیس افسر کے بیان پر ہی تکیہ کر کے قتل کے محرکات متعین کرلیے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض رپورٹروں کی خبر کے مطابق قتل کے محرکات میں امریکہ میں کی گئی تقریر، بعض کے نزدیک ایرانی سفارتخانے میں کی گئی تقریر اور بعض کے خیال

میں ان کے لبرل مذہبی خیالات تھے۔

قتل جیسے واقعہ کی خبر نگاری انتہائی حساس ہوتی ہے۔لہٰذا اس قسم کی خبر نگاری میں رپورٹر کا اپنے طور پر پہلے ہی سے قتل کے اسباب کا تعین کر لینا یا کسی ذرائع کے تعین کردہ خیالات کو خبر میں نہ صرف شامل کرینا بلکہ نمایاں کر کے شائع کر دینا، خبر نگاری کے اصولوں کی سنگین خلاف ورزی ہی نہیں بلکہ ایک نہایت غیر ذمہ دارانہ روش بھی ہے، کیونکہ اس سے قتل کی تفتیش پر منفی اثر بھی پڑسکتا ہے، بجائے اس کے کہ قتل کی تفتیش میں کوئی مدد ملے۔ایک ایسے وقت میں کہ جب عالم اسلام اور پاکستان کے خلاف ایک پروپیگنڈے کی فضاء قائم ہے اور دہشت گردی،عدم برداشت اور بنیاد پرستی وغیرہ کی اصطلاحات بعض صورتوں میں عالم اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے استعمال کی جارہی ہیں،خود پاکستانی ذرائع ابلاغ کا ڈاکٹر شکیل کے قتل کے محرکات میں (حقائق کے برعکس) مذہبی وجوہات کو نمایاں کر کے شامل کرنا، پاکستان اور عالم اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کو اور بھی بڑھاوا دینے کے مترادف ہے۔چنانچہ نیویارک ٹائمز نے سرخی لگائی کہ امریکہ میں کی گئی تقریر پر توہین رسالت کا الزام رکھنے والے ایک لبرل مسلم اسکالر کو قتل کر دیا گیا۔(۲۶)

اس کے بعد تفصیلات میں یہی اخبار پاکستان میں توہین رسالت کے قانون پر تبصرہ کرتے ہوئے مختلف زاویوں سے تنقید کرتا ہے۔(۲۷)

ایک اور اخبار انڈیپینڈنٹ نے سرخی جمائی کہ ایک اسلامی اسکالر کو اس کے لبرل نظریات کے باعث پاکستان میں قتل کر دیا گیا۔(۲۸)

اس کے بعد اس اخبار نے بھی پاکستان میں توہین رسالت کے قانون اور اقلیتوں کے عدم تحفظ وغیرہ کے حوالے سے پاکستان کی منفی تصویر کشی کی۔(۲۹)

اس طرح ان دونوں اخبارات نے قتل کے اس واقعے کا سبب توہین رسالت کو قرار دیا نیز یہ خلاف واقعہ اور بے بنیاد بات لکھی کہ ڈاکٹر شکیل نے امریکہ میں متنازعہ تقریر کی اور ان کے خلاف توہین رسالت کا فتویٰ تھا۔یوں ان دونوں اخبارات نے پاکستانی ذرائع ابلاغ سے بھی آگے بڑھ کر حقائق کے برعکس خبر نگاری کی اور معروضیت کے بجائے اپنے تعصب اور ذہن کے مطابق خبر کو رنگ دیا۔

ڈاکٹر شکیل اوج کے قتل کے واقعہ کو بھی جن معلومات کے ساتھ ذرائع ابلاغ نے پیش کیا وہ بھی حقائق سے دور نظر آتا ہے۔مثلاً انگریزی روزنامہ 'ایکسپریس ٹریبیون' (۳۰)،اور روزنامہ 'دی نیوز' (۳۱) نے تو ڈاکٹر طاہر مسعود کے بیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ گولیاں گاڑی کے پیچھے سے آئیں جبکہ اس کے برعکس روزنامہ 'ڈان' ڈاکٹر طاہر مسعود کے حوالے سے ہی لکھتا ہے کہ دو گولیوں کے نشانات windopane پر تھے۔(۳۲)

مختلف ذرائع ابلاغ نے ڈاکٹر شکیل اوج کی گاڑی پر لگنے والی گولیوں کی تعداد کو بھی حیرت انگیز حد تک نمایاں فرق

کے ساتھ رپورٹ کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر نگاری کے اصولوں کو نظر انداز کر کے نہایت ہی غیر ذمے داری اور غیر سنجیدگی سے رپورٹنگ کی گئی اور اس بات کا بھی کسی کو احساس نہیں ہوا ٹی وی اسکرین پر بھی مختلف چینل گولیوں کی الگ الگ تعداد بار بار بریکنگ نیوز میں پیش کر رہے ہیں۔

یہی کچھ واقعہ کے اگلے روز شائع ہونے والے اخبارات کی خبروں میں نظر آیا جو کہ پاکستانی ذرائع ابلاغ کی خبر نگاری کے معیار پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔

انگریزی اخبار روزنامہ ڈان کے مطابق کل دو گولیاں ڈاکٹر شکیل اور ایک گولی ڈاکٹر آمنہ کو لگی (جبکہ یہی اخبار ڈاکٹر طاہر مسعود کے بیان میں صرف دو گولیوں کا ذکر کرتا ہے)۔(۳۳)

انگریزی کے دیگر تین اخبار دی نیوز (۳۴)، ایکسپریس ٹریبون (۳۵) اور دی نیشن (۳۶) ڈاکٹر شکیل اوج کی گاڑی پر فائر کی گئی گولیوں کی تعداد 2 لکھتے ہیں۔انگریزی اخبار دی نیوز نے بھی گولیوں کی کل تعداد دو ہی بیان کی جبکہ اسی گروپ کے تحت شائع ہونے والا اردو اخبار روزنامہ جنگ کراچی لکھتا ہے کہ ڈاکٹر شکیل اوج کو چھ گولیاں گردن اور سینے پر ماری گئیں جبکہ ایک گولی سے ڈاکٹر آمنہ زخمی ہوئیں۔مزید یہ کہ گولیاں کار کے سامنے سے فائر کی گئیں، اس حملے کے بعد اسپتال پہنچ کر ڈاکٹر شکیل اوج زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دوران علاج چل بسے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ امریکہ میں ڈاکٹر شکیل کی جانب سے کی گئی متنازعہ تقریر کے بعد وطن واپسی پر انہیں دھمکیاں بھی موصول ہوئیں (۳۷)، جبکہ جنگ گروپ ہی سے تعلق رکھنے والے نیوز چینل جیو نے اپنی خبر نشر کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر شکیل اوج کو کنپٹی پر گولی ماری گئی ہے۔(۳۸)

روزنامہ ایکسپریس کراچی نے ڈاکٹر شکیل کے سر میں دو گولیاں اور ایک گولی ڈاکٹر آمنہ کو لگنے کا ذکر کیا (۳۹)۔اسی میڈیا گروپ کے ماتحت ٹی وی چینل ایکسپریس اپنی بریکنگ نیوز میں بتاتا ہے کہ ڈاکٹر شکیل کو لگنے والی گولی گردن سے پار ہو گئی، (۴۰)

یہی ایکسپریس ٹی وی چینل اپنی خبر میں یہ بھی اطلاع دیتا ہے کہ ڈاکٹر شکیل کو گردن اور سینے میں تین گولیاں ماری گئیں۔(۴۱)

روزنامہ جسارت نے بھی جنگ اخبار کی طرح 6 گولیاں مارنے کا ذکر کیا ہے۔(۴۲)

روزنامہ دنیا، (۴۳)، نئی بات (۴۴) اور جرأت (۴۵)، نے کل تین گولیوں کا ذکر کیا ہے۔

دنیا اخبار سے تعلق رکھنے والے ٹی وی نیوز چینل 'دنیا نیوز' نے اپنی نشر کی جانے والی خبر میں کہا کہ ڈاکٹر شکیل کو سر میں دو گولیاں ماری گئیں۔(۴۶)

کراچی کے جن اخبارات نے گولیوں کی کل تعداد درست یعنی دو لکھی ہے ان میں انگریزی اخبار دی نیوز، دی نیشن، ایکسپریس ٹریبون، اردو اخبارات میں روزنامہ امت، نوائے وقت، (۴۷) اور جہان پاکستان (۴۸) شامل ہیں،

جن اخبارات نے گولیوں کی تعداد نہیں لکھی ان میں روزنامہ امن (۴۹)، روزنامہ خبریں (۵۰)، آزاد ریاست (۵۱) اور سندھی کے روزنامہ سندھ ایکسپریس اور خبرون (۵۲) شامل ہیں۔

خبر میں بہت کم اخبارات نے ذرائع کے حوالے سے پولیس کے علاوہ واقعہ کے عینی شاہد پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود کا بیان شامل کیا ہے۔جن اخبارات نے ڈاکٹر طاہر مسعود کے بیان کو خبر کے متن میں شامل کیا ہے ان میں انگریزی کا ڈان، ایکسپریس ٹریبون، اردو کا روزنامہ دنیا، نوائے وقت، نئی بات اور جرأت شامل ہیں ۔

جن اخبارات نے قتل کی وجوہات کے پس منظر میں ڈاکٹر شکیل اوج کے لبرل اور مذہبی خیالات، توہین رسالت کا فتویٰ اور امریکہ میں ان کی متنازعہ تقریر کا نمایاں ذکر کیا ہے ان میں انگریزی کا ڈان، دی نیوز، دی نیشن، اردو اخبارات میں روزنامہ جنگ، دنیا، امت، جرأت اور سندھی اخبارات میں سندھ ایکسپریس اور عوامی آواز شامل ہیں ۔

پاکستانی ذرائع ابلاغ میں ڈاکٹر شکیل اوج کے قتل کے واقعہ کی رپورٹنگ کی مذکورہ تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان اخبارات کے رپورٹروں نے حقائق جاننے کے لیے کسی تفتیش وتصدیق کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ انہوں نے سنی سنائی، اڑتی ہوئی افواہوں پر یقین کیا، اور اسے نہایت یقین واعتماد کے ساتھ رپورٹ کردیا۔جن اخبارات نے واقعے کی صریحاً غلط، بے بنیاد اور بے سروپا رپورٹنگ (مثلاً سامنے سے آکر چھ گولیاں مارنا) کی، انہوں نے اگلے دن بھی اپنی غلط اطلاع کی تصحیح تک کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ان اخبارات نے اپنے قارئین سے بے بنیاد اطلاع رسانی پر نہ معذرت کی اور نہ مذکورہ رپورٹروں سے ہی کوئی باز پرس کی گئی۔ان ذرائع ابلاغ نے واقعہ کے حقائق غلط بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قتل کے محرکات کا ایسا پس منظر پیش کیا جس کے ٹھوس شواہد موجود نہیں تھے۔ مقالہ نگار نے ڈاکٹر شکیل اوج کے قتل کی ناقص اور خلاف واقعہ رپورٹنگ کے اسباب جاننے کے لیے مختلف رپورٹروں سے جب رابطہ کر کے معلومات کیں تو رپورٹروں نے اس کی جو وجوہات بیان کیں اس کے مطابق:

۱) کسی واقعہ کے پیش آنے کے بعد رپورٹروں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ فوراً وہاں پہنچ سکے چنانچہ وہ موبائل یا فون وغیرہ پر ہی بات کر کے تفصیلات حاصل کرتا ہے۔

۲) عموماً پولیس افسر سے فون پر ہی معلومات حاصل کر کے خبر بنائی جاتی ہے۔ایک پولیس افسر نہ صرف ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو واقعہ کی تفصیل بھی بتاتا ہے بلکہ ساتھ ہی جائے وقوع پر اپنے فرائض بھی انجام دے رہا ہوتا ہے، چنانچہ ایسی صورتحال میں سننے، سمجھنے میں غلطی بھی ہوجاتی ہے۔

۳) عموماً موصولہ اطلاعات کے ایک سے زائد ذرائع سے تصدیق نہیں کی جاتی، ڈاکٹر شکیل کے کیس میں چونکہ ذرائع ابلاغ پر فوراً ہی مختلف ٹی وی چینلوں سے خبریں آنا شروع ہوگئیں تھیں لہٰذا دیگر ذرائع سے اس کی تصدیق کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ عام طور پر رپورٹر پولیس کی جانب سے دی گئی معلومات کو سرکاری اور مستند سمجھتے ہیں، لہٰذا ڈاکٹر شکیل

کے قتل کی خبر میں بھی انھوں نے پولیس کی فراہم کردہ معلومات کی کسی اور ذرائع سے تصدیق کرنے کی کوشش نہیں کی۔

۴) کسی بھی اخبار یا ٹی وی چینل میں رپورٹروں کی تعداد کم ہوتی ہے لہٰذا انھیں کام اور وقت کی کمی کا سخت دباؤ رہتا ہے ایسے میں کسی خبر کو نہ تو زیادہ وقت دیا جاسکتا ہے نہ ہی تحقیقی انداز میں ہر اطلاع کی تصدیق کے لیے مختلف ذرائع سے رابطہ کیا جاسکتا ہے، یہ صورتحال برقیاتی ذرائع ابلاغ میں کثرت سے ہوتی ہے لہٰذا ڈاکٹر شکیل اوج کی خبر میں بھی یہی کچھ ہوا۔

۵) خبر کے معاملے میں مالکان یا ایڈیٹر کسی خبر میں مداخلت نہیں کرتے بلکہ رپورٹر پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں، ڈاکٹر شکیل اوج کی خبر میں بھی ایسا ہی ہوا۔

۶) کم تنخواہ اور وسائل کی کمی بھی معیاری خبر نگاری کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

رپورٹروں کی جانب سے ڈاکٹر شکیل اوج کے قتل کی غلط اور بے بنیاد رپورٹنگ کی جو وجوہات گنوائی گئی ہیں انہیں عذر لنگ ہی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ قتل کا واقعہ صبح 10 بجے پیش آیا اور کم از کم اخبارات کے رپورٹروں کے پاس حقائق کو جاننے اور تفتیش و تصدیق کرنے کا بہت وقت تھا، (اخبارات کی آخری کاپی چھپنے کے لیے پریس رات بارہ بجے کے بعد جاتی ہے۔) واقعے کے عینی شاہد ڈاکٹر طاہر مسعود جو شعبۂ ابلاغ عامہ کے چیئرمین او رذرائع ابلاغ کے رپورٹروں کے لیے اجنبی بھی نہیں ہیں، ان کے بیان کے مطابق ان سے واقعے کے حقائق معلوم کرنے کے لیے موبائل فون پر صرف دو انگریزی اخبارات ''ڈان'' اور ''ایکسپریس ٹریبون'' کے رپورٹروں نے رابطہ کیا۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ واقعے کے بیان میں جو بھی سقم رہا اور جو کچھ معلومات دی گئیں، اس کی بنیادی وجہ رپورٹروں کے سہل انگاری، اپنے فرائض سے غفلت، صورت واقعہ معلوم کرنے کے لیے بہ آسانی دستیاب، پولیس افسران پر انحصار، اپنے اخبار کی طرف سے جواب دہی کے کسی خوف و اندیشے سے بے نیازی ہی تھی۔ کوئی شبہ نہیں کہ ذرائع ابلاغ میں تنخواہوں اور مراعات کا تفاوت بہت زیادہ ہے۔ مثلاً چینلوں میں اینکر اور اخبارات میں کالم نگار حضرات کا معاوضہ ان کے رپورٹروں سے دس گنا زیادہ ہوتا ہے، رپورٹر حضرات اپنے اداروں کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے حساس اور مشقت طلب فریضے کے لحاظ سے انہیں معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا۔ جبکہ اینکر اور کالم نگار بھاری معاوضہ کے ساتھ ساتھ شہرت اور ناموری بھی سمیٹتے ہیں، جبکہ رپورٹروں کی حیثیت بنیاد کے پتھر کی ہوتی ہے جو کسی شناخت وامتیاز سے محروم ہوکر اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ بعض صورتوں میں ان کے ڈائریکٹر نیوز کا معاوضہ بھی ان کے لیے قابل رشک ہوتا ہے۔ معاوضوں میں پائی جانے والی خلیج یقیناً اپنے فریضے سے وابستگی (Commitment) کو متاثر کرتی ہے اور وہ کسی حقیقت واقعہ کی تلاش و تفتیش کو بے سود (Thankless) تصور کرنے لگتے ہیں۔ مقالہ نگار کو ایک رپورٹر نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر یہ بھی بتایا کہ زیادہ تر رپورٹر اپنا ایک سینڈیکٹ بنا کر رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے بھر پور تعاون کرتے ہیں مثلاً اگر پانچ رپورٹروں پر مشتمل سینڈیکٹ ہے تو وہ روزانہ کی بنیاد پر آپس میں خبروں کا تبادلہ کرلیتے ہیں اس طرح اگر تمام رپورٹر ایک ایک خبر بھی لے کر

آئیں تو ہر رپورٹر کے پاس پانچ خبریں ہو جاتی ہیں جو اپنے اپنے ایڈیٹر کو دن بھر کی کارگذاری پیش کرنے کے لیے کافی ہوتی ہیں، کچھ خبریں ذرائع سے اچھے تعلقات کی بنا پر ای میل کے ذریعے بھی ملتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مختلف ذرائع ابلاغ میں جاری ہونے والی خبروں میں اکثر اوقات مماثلت ہوتی ہے اور کوئی ایک غلطی کر بیٹھے تو وہ ہی غلطی ایک سے زائد اخبارات یا ٹی وی چینلوں پر کھائی دیتی ہے۔

تجاویز: مقالہ نگار کے خیال میں:

۱) سب سے پہلے تو تنخواہوں کے فرق کو ختم کیا جانا چاہیے یعنی جن کیں تنخواہیں کم ہیں، ان میں قابل قدر اضافہ کی جائے، تا کہ وہ اپنی ذمے داری پر پوری توجہ دے سکیں۔

۲) ہر صحافتی ادارے میں رپورٹروں کی تعداد ضرورت کے مطابق بڑھائی جائے تا کہ کوئی بھی رپورٹر واقعہ کی خبر نگاری اچھی طرح کر سکے۔

۳) رپورٹروں کے اوپر جانچ پڑتال کا نظام بھی ہونا چاہیے تا کہ رپورٹر کو احساس ہو کہ اس کی فائل کردہ خبروں کو تنقیدی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا ہے اور اس سے جواب طلبی بھی ہو سکتی ہے۔جواب طلبی کا احساس رپورٹر کو محتاط خبر نگاری کی طرف مائل کرنے میں مددگار ثابت ہوگا اور اگر رپورٹر سے اتفاقی غلطی ہو بھی جائے گی تو ایڈیٹر اس غلطی کو خبر جاری ہونے سے پہلے درست کر سکتا ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) ''میڈیا منظر''، محمود شام، پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۲　(۲) ایضاً ص ۲۲۷

(۳) ''خبر نگاری کے اصول''، بشیر احمد طاہر، علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص ۱۵۱۔

(۴) 'Practical Newspaper Reporting',3rd edition , David Spark & Geoffrey Harris, Focal Press, Linacre, House, Jordan Hill, Oxford,1998,p-224-225

(۵) Sansan Pape & Sue Feather stone, 'News paper Journalism, A Practical Introduction',Sage Publication,London,2005, p-41.

(۶) 'News Reporting and Writing', 7th editioni,Melvin Mencher,Columbia University, National Foundation, Isamabad, year?,p-596.

(۷) 'Journalism, Principles and Practice', Tony Harcup,vistaar publication, New Dehli 2004,p-60

(۸) 'Ethics & Journalism,Karen Sanders, Sage Publication, London, 2003,p-28

(۹) 'خبر نگاری کے اصول'، احمد نسیم سندیلوی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۔

(۱۰) 'اردو جرنلزم' حسن عابدی، نگارشات، لاہور ۱۹۹۲، ص ۱۴ (۱۱) ص ۱۵، ایضاً (۱۲) ص ۱۰۹، ایضاً

(۱۳) 'خبر نگاری' ڈاکٹر سید عبدالسراج، علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ ص ۸۰ (۱۴) روزنامہ ڈان کراچی، 19 ستمبر 2014

"Dr Auj, author of over a dozen books, might have been targeted over his religious thoughts and his efforts to unearth an alleged fake degree scam in the KU, police and sources in the KU said."

(۱۵) روزنامہ دی نیوز، کراچی، 19 ستمبر 2014

"DIG Sheikh said some religious figures has issued a fatwa against Dr. Auj after he had mad controversial speaches a couple of years ago. He had also recived death threats through text messages over "committing blashpemy." Said the officer."

(۱۶) روزنامہ دی نیشن کراچی، 19 ستمبر 2014

"Libral Professor gunned down in Karachi."

"A professor of Islam known for his libral religious views was shot dead in Karachi Thursday official said, two years after he was labelled an "apostate"

(۱۷) روزنامہ ایکسپریس ٹریبیون، کراچی، 19 ستمبر 2014

"The police is investigating the murder from various angles, including the ongoing sectarian target killings in the city, as well as the blasphemy accusations that surfaced against Dr Auj around two years ago, said East district SSP Pir Mohammad Shah."

(۱۸) روزنامہ دنیا کراچی، 19 ستمبر 2014

"دہشتگردوں کی فائرنگ، جامعہ کراچی کے پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج جاں بحق، امریکہ میں ایک متنازعہ تقریر کے بعد انہیں دھمکی آمیز ایس ایم ایس موصول ہوئے تھے"

(۱۹) روزنامہ جنگ کراچی، 19 ستمبر 2014 (۲۰) روزنامہ جرأت کراچی، 19 ستمبر 2014

(۲۱) روزنامہ ایکسپریس کراچی، 19 ستمبر 2014

"ڈی ایس پی ناصر لودھی نے بتایا ہے کہ پروفیسر شکیل نے ایرانی قونصلیٹ میں مختلف مواقع پر تقریریں کیں تھیں جس کے بعد ان کو ایس ایم ایس اور موبائل فون کال پر قتل اور سنگین نتائج کی دھمکیاں ملنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔"

(۲۲) روزنامہ امت کراچی، 2014 (۲۳) روزنامہ سندھ ایکسپریس حیدرآباد، 19 ستمبر، 2014

(۲۴) روزنامہ عوامی آواز، حیدرآباد، 19 ستمبر، 2014 (۲۵) روزنامہ کاوش حیدرآباد، 19 ستمبر، 2014

(۲۶) نیویارک ٹائمز، http://www.nytimes.com/2014/09/19/world /asia/pakistan-shakil-auj-assassinated-blasphemy-karachi.html [10-10-2014]

"A Pakistani Scholar Accused of Blasphemy Is Shot Dead"

(۲۷) ایضاً

"A liberal Muslim scholar who had been accused of blasphemy for a speech he gave

during a visit to the United States was shot and killed in Karachi on Thursday, the city police said........Dr. Auj was shot in the head and neck and died immediately, officials said."

"Blasphemy is punishable by death under Pakistani law, and accusations of blasphemy have inspired a rising tide of vigilante killings in recent years that are seen as a sign of growing intolerance in the country."

(۲۸) انڈیپنڈنٹ، http://www.independent.co.uk/news/people/news/dr-muhammad-shakeel-auj-islamic-scholar-murdered-by-hardliners-in-pakistan-for-his-liberal-views-9754145.html

"Dr. Muhammad Shakeel Auj: Islamic scholer murdered in Pakistan due to his liberal views."

(۲۹) ایضاً

"In Pakistan, the mere suggestion Islam's prophet has been defamed can be deadly, and the vaguely worded blasphemy laws that find their origins in the Raj have been used to pursue vendettas and persecute religious minorities. Such is the sensitivity around the subject that once an allegation is made, there are no means of defending oneself. Mob pressure leads the police to take the accused into custody, from where they may never emerge, and few judges will acquit an accused blasphemer.

The biggest champions of the law are also those who feel the need to take the law into their own hands. In 2011 the governor of Punjab province, Salmaan Taseer, and the Minorities Minister, Shahbaz Bhatti, were assassinated for speaking out against the treatment of religious minorities who have been imprisoned under the blasphemy laws on little or no evidence.

Auj received menacing text messages last year; one said that his head would be severed from his neck. Four men were arrested, including his predecessor as Dean, but were later released on bail. The Karachi police said that there had been a fatwa issued against Auj.

(۳۰) روزنامہ ایکسپریس ٹریبیون، محولہ بالا

"When I turned behind, I saw two holes in the wagon,s rear windshield."

(۳۱) روزنامہ دی نیوز، محولہ بالا

"He said the attacers fired two shots at the back of the car, one of which hit Dr. Auj in the head while the other struck Dr. Amna in the shoulder."

(۳۲) روزنامہ ڈان،محولہ بالا

"I realised that there were two holes in the windowpane of the care"

(۳۳) ایضاً　(۳۴) دی نیوز،محولہ بالا　(۳۵) ایکسپریس ٹریبون محولہ بالا　(۳۶) دی نیشن محولہ بالا　(۳۷) روزنامہ جنگ،محولہ بالا

(۳۸) http://www.dailymotion.com/video/x267bmo_ku-islamic-studies-dean-gunned-down-in-karachi-geo-reports-18-sep-2014_news [12-10-2014]

(۳۹) روزنامہ ایکسپریس،محولہ بالا　(۴۰) http://www.dailymotion.com/video/x266r6c_dr-shakeel-auj-dean-of-islamic-studies-faculty-shot-thrice_news[12-10-2014]

(۴۱) http://tune.pk/video/4524493/dr-shakee%C2%AD l-auj-dean-of-islami%C2%ADc-studie%C2%ADs-facult%C2%ADy-shot-thrice [12-10-2014]

(۴۲) روزنامہ جسارت کراچی، 19 ستمبر، 2014

''پولیس کے مطابق پروفیسر شکیل کو نائن ایم ایم پستول کی 6 گولیاں ماری گئیں جن میں سے تین ڈاکٹر شکیل کو اور ایک ڈاکٹر آمنہ کو لگی۔''

(۴۳) روزنامہ دنیا محولہ بالا　(۴۴) نئی بات کراچی، 19 ستمبر 2014　(۴۵) جرأت،محولہ بالا

(۴۶) دنیا نیوز، http://mulkinews.com/dr-shakeel-auj-killed-unknown-persons/ [12-10-2014]

(۴۷) روزنامہ نوائے وقت کراچی، 19 ستمبر　(۴۸) روزنامہ جہان پاکستان کراچی، 19 ستمبر، 2014

(۴۹) روزنامہ امن کراچی ، 19 ستمبر 2014　(۵۰) روزنامہ خبریں کراچی، 19 ستمبر، 2014

(۵۱) آزاد ریاست کراچی، 19 ستمبر 2014　(۵۲) روزنامہ خبرون، حیدرآباد، 19 ستمبر، 2014